© rasailojaraid.com

خورشید احمد ندیم

وسطانیہ مصر کی ایک جدید فکری تحریک

”وسطانیہ“ مصر کے اہلِ علم کی برپا کی ہوئی ایک فکری تحریک ہے جو جدید مصر کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کا ایسا حل پیش کرتی ہے جو روایتی دینی اور سیکولر طبقات کے دیے گئے حل سے مختلف ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی اور فہمی ہویدی جیسے صاحب فکر اس تحریک سے وابستہ ہیں۔

بیسویں صدی کے مصر میں ایک جدید فکری تحریک نمودار ہوئی جو ''وسطانیہ'' کے نام سے منسوب ہے۔ اس تحریک کے نمائندہ حضرات خود کو ''جدید اسلامی رجحان'' کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔ اپنے خیالات کے اعتبار سے یہ گروہ روایت پسند اور سیکولر دونوں طرح کے طبقات سے مختلف ہے اور گویا دونوں کے وسط میں ہے۔ جدید اسلام پسندوں کے اس گروہ نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں اپنے خیالات ایک منشور کی صورت میں پیش کیے۔ ابتدا میں اس منشور کی علمی حلقوں میں وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ چونکہ اس وقت کے سیاسی حالات سازگار نہیں تھے، اس لیے اس کی اشاعت کو موخر کر دیا گیا اور پھر ۱۹۹۱ء میں اس منشور کی پہلی دفعہ اشاعت ممکن ہو سکی۔ یہ منشور بڑی حد تک کمال ابوالمجد کا لکھا ہوا ہے جو مصر کے معروف ماہر آئین وقانون ہیں۔ ان کی کتاب ''معاصر اسلامی فکر'' کو بہت پذیرائی ملی تھی۔ ۱۹۹۴ء میں سید یاسین، ڈائریکٹر الاہرام سنٹر برائے سیاسی وتزویراتی مطالعہ (Alahram Center for Political and Strategic Studies) نے اس پر نقد کیا۔ دونوں کے درمیان مصر کے ممتاز اخبار الاہرام کے صفحات پر شدید بحث ہوئی جس کے باعث اس کتاب کے مندرجات وسیع پیمانے پر زیر بحث آئے۔

مصر میں اسلامی بیداری کے حوالے سے کئی طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اگر ایک طرف وہ گروہ ہیں جو خاموشی کے ساتھ انفرادی اصلاح کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف وہ عناصر بھی ہیں جو پرتشدد طریقوں سے معاشرے کو اسلامی بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مصر کی ایک اہم تحریک الاخوان المسلمون بھی ہے جس کی بنیاد ۱۹۲۸ء میں امام حسن البنا نے رکھی تھی۔ اخوان نے مصر کے متوسط طبقے کو بڑی تعداد میں متاثر کیا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں اس تحریک کے راہنما جمال عبدالناصر کے ہاتھوں شدید مصائب کا شکار ہوئے۔ بعد کے سالوں میں اخوان سے وابستہ افراد معاشرے میں بکھر گئے۔ بعض نے خاموشی اختیار کر لی۔ بعض نے حکومتوں کی مزاحمت کا فیصلہ کیا اور پرتشدد کارروائیوں کا آغاز کیا۔ بعض نے انفرادی حیثیت میں علمی وفکری حوالے سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں فکری ارتقا کا عمل جاری رہا اور انہوں نے تجدید دین اور معاشرے کو درپیش مسائل پر نئے سرے سے سوچا اور وہ بعض ایسے نتائج فکر تک پہنچے جو اخوان کے بانیان کے خیالات سے مختلف تھے۔ وسطانیہ ایسے ہی افراد کا گروہ ہے۔ اس کے فکری راہنماؤں میں سے شیخ محمد الغزالی اور علامہ یوسف القرضاوی اس سے پہلے اخوان سے وابستہ تھے۔ اس کے راہنماوں میں ایک معروف دانش ور فہمی ہویدی بھی شامل ہیں۔ ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ تاریخ دان، ماہرین تعلیم، صحافی، عالم اور دانش وروں کا ایک بڑا طبقہ اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہے، جن میں ماہر قانون محمد سلیم العواء، جج اور تاریخ دان طارق البشری نمایاں ہیں۔

اس تحریک نے مصر کے تناظر میں ایک جدید مسلمان معاشرے کو درپیش بہت سے اہم مسائل کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ ان میں اکثر مسائل وہ ہیں جو دیگر معاصر مسلمان معاشروں کو بھی درپیش ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام میں آرٹس اور تعلیم کا مقام، اسلامی معاشرت کی خصوصیات اور ان کے حصول کے طریقے، صنفی تعلقات، غیر مسلموں کے حقوق اور سماجی وسیاسی حیثیت، اسلامی معیشت وبینک کاری، ریاست اور معاشرے کا باہمی تعلق اور اسلام کا عالمی کردار۔ ان موضوعات پر اس تحریک کے اہل علم نے بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور جدید ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کے جواب فراہم کیے ہیں۔ انہوں نے بعض دیگر نازک سوالات کو بھی اپنے موضوع بنایا ہے جن پر معاصر مسلمان معاشروں میں شدومد کے ساتھ بحث ہو رہی ہے۔ مثلاً

- ☆ آج کے دور میں اسلام کے حوالے سے اصلاحات (Islamic Reforms) کا کیا امکان ہے؟
- ☆ کیا بنیادی تمدنی، سماجی اور سیاسی مسائل پر اسلامی جدیدیت کے تناظر میں غور وفکر ممکن ہے؟
- ☆ وسطانیہ کے تصور اسلام کے مطابق ترتیب پانے والے مستقبل کے خدوخال کیا ہوں گے؟

وسطانیہ کے خیالات کو تین بڑے عنوانات، تمدن، معاشرہ اور سیاست کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

ا – تمدن Culture

تمدن کے حوالے سے وہ دو امور کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ ایک تعلیم اور دوسرا فنون (Arts)۔

☆ تعلیمی اصلاح

مصر ایک ایسا ملک ہے جس کو اسلام کے نام پر ہونے والی پرتشدد سرگرمیوں کا سامنا ہے وہاں جہاد، اسلامک گروپ اور التکفیر والہجرۃ جیسے گروہ سرگرم ہیں۔ ولیم بیکر نے اپنی کتاب (Islam Without Fear) میں مصری اخبارات کے حوالے سے ایک ۳۳ سالہ نوجون عادل عبدالباقی کی کہانی بیان کی ہے۔ یہ نوجوان سولہ برس تک مختلف انتہا پسند گروہوں سے وابستہ رہا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اس نے اپنے ذہنی سفر کی کہانی سنائی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس میں انتہا پسندانہ خیالات پیدا کرنے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' اور سید قطب کی ''معالم فی الطریق'' نے اہم کردار ادا کیا۔ عبدالباقی نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح ان متشدد جماعتوں میں تکفیر اور استحلال کے تصورات کو فروغ ملا۔ ان تحریکوں میں ان کے اپنے تصور تکفیر کے تحت مصر کی حکومت اور کم وبیش تمام معاشرے کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح استحلال کے نام پر غیر مسلموں کی دولت کو سچے مسلمانوں کے لیے حلال سمجھا جاتا ہے۔

عبدالباقی کے ہاں ان خیالات پر نظر ثانی کا عمل شیخ محمد الغزالی کی کتابوں کے مطالعہ سے شروع ہوا۔ اس نے پہلے ان کی کتاب ''حیات پیغمبرؐ کی فقہ'' پڑھی۔ اس کے بعد اسے شیخ کی ''سنت رسول، اہل فقہ اور اہل حدیث کے مابین'' پڑھنے کا موقع ملا تو اسے اندازہ ہوا کہ دین کے بارے میں انتہا پسند گروہوں کے خیالات کس قدر غلط ہیں۔

وسطانیہ کا تجزیہ یہ ہے کہ جس طرح انتہا پسند گروہوں کے خیالات غیر اسلامی ہیں، اسی طرح ریاستی جبر اور ظلم بھی غلط ہے جو ان گروہوں کے خاتمے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان انتہا پسندانہ خیالات کے خاتمہ کی واحد صورت یہ ہے کہ معاشرے میں غربت اور ناانصافی کا خاتمہ ہو۔ ریاست ان پر توجہ دینے کی بجائے سختی سے ان گروہوں کو ختم کرنا چاہتی ہے جو ایک غلط حکمت عملی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس مقصد کے لیے ملکی سطح پر تعلیمی اصلاحات ناگزیر ہیں۔ تعلیم

کیا بنیادی تمدنی، سماجی اور سیاسی مسائل پر اسلامی جدیدیت کے تناظر میں غور وفکر ممکن ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے نزدیک محض نصابی کتب پڑھا دینے کا نام نہیں بلکہ تربیت اس کا ناگزیر حصہ ہے جسے نظرانداز کیا جاتا ہے۔ وسطانیہ کے منشور میں لکھا گیا ہے: ''اسلامی احیا کے لیے تمدن اور تربیت کا مسئلہ ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے''۔اس معاملہ کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ وہ اس باب میں جامع اصلاحات تجویز پیش کرتے ہیں۔

تعلیمی بحران کے تناظر میں وہ جدید اسلامی فقہ الحقیقت کا تصور پیش کرتے ہیں۔فہمی ہویدی اور دوسرے افراد نے مصر کے تعلیمی حالات کا ایک جائزہ لیا اور بتایا کہ اس نظام میں کس نوعیت کی خرابیاں در آئی ہیں۔اس جائزے میں یہ بتایا گیا کہ ۱۹۹۳ء میں طالبات میں بڑے پیمانے پر بے ہوشی کے واقعات ہوئے جن کا کوئی طبی سبب ڈاکٹر صاحبان بیان نہیں کر سکے اور انہیں اضطراب کا شاخسانہ قرار دیا گیا۔اس طرح طلبا میں جرائم اور نشہ کے واقعات بھی کثرت سے ہونے لگے۔

فہمی ہویدی نے ان اقدامات کا بھی جائزہ لیا جو حکومت کی طرف سے تعلیمی حالات میں بہتری کے لیے اٹھائے گئے۔ مثال کے طور پر اس مقصد کے لیے امریکا کے ماہرین تعلیم کو بلایا گیا جنھوں نے اس نظام تعلیم میں اصلاحات تجویز کیں۔فہمی ہویدی ان اصلاحات پر شدید تنقید کرتے ہیں اور انہیں مصری معاشرے کے لیے ناقابل قبول قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ان تجاویز میں تاریخ کے حوالے سے مجوزہ اصلاحات میں مصر کے اسلامی دور سے توجہ ہٹا کر زیادہ زور فرعونوں کے عہد پر دیا گیا ہے۔اس طرح عہد رسالت میں مسلمانوں کے یہودیوں سے جھگڑوں کو نصاب سے نکال دیا گیا اور اس کا پس منظر یہ تھا کہ اسرائیل کے ساتھ مصر نے جو معاہدہ امن کیا ہے اسے کامیاب بنایا جائے۔ ہویدی سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ برطانیہ اور فرانس کے ساتھ اچھے تعلقات کے لیے یورپی استعمار کا تذکرہ نہ کیا جائے جس کا مصر شکار رہا۔وہ متنبہ کرتے ہیں کہ اسلامی دنیا سے مصر کے تعلق کو کمزور بنانے والی کوششیں مفید ثابت نہیں ہوں گی۔

دوسری طرف اسی کو بنیاد بنا کر انتہا پسند گروہوں نے بھی تعلیمی اداروں میں اپنے خیالات پھیلانے کی کامیاب کوشش کی۔ وسطانیہ کے لوگ ان دونوں پر نقد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ ان تعلیمی اداروں پر بھی تنقید کرتے ہیں جو کاروباری ذہن کے ساتھ کھولے گئے ہیں اور جہاں تربیت کا سرے کوئی اہتمام نہیں اور جہاں معلم کسی طرح بھی طالبعلم کے لیے کوئی مثالی کردار نہیں۔اس طرح جو اسلامی سکول قائم ہوئے ہیں وہ انہیں بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جہاں لباس جیسی ظاہری تبدیلیوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں اسلامی سیرت پیدا کرنے کی کوئی سنجیدہ

جامع مسجد، جامعہ ازہر، مصر کا اندرونی منظر

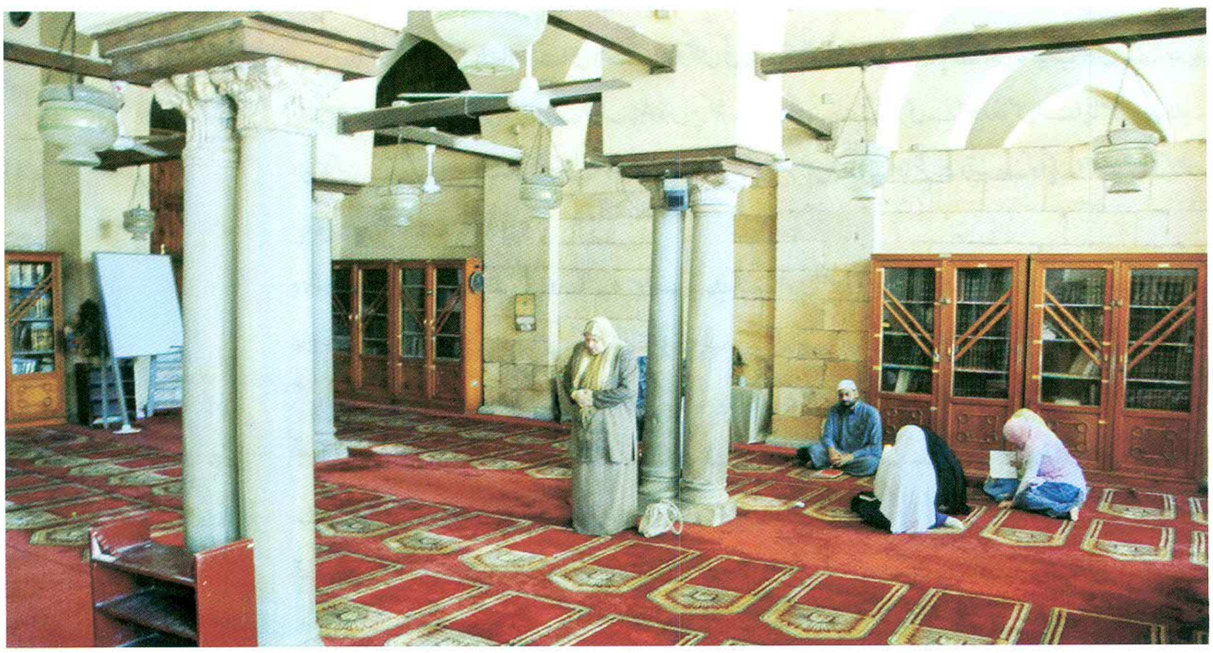

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش نہیں ہوتی۔ مغربی طرز کے سکولوں میں اس سے زیادہ کچھ نہیں سکھایا جارہا کہ آج کے دور میں انگریزی زبان اور کمپیوٹر بہت اہم ہوگئے ہیں۔ وسطانیہ کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس سے مصر کی تمدنی زندگی میں ایک تضاد پیدا ہونے کے ساتھ یہ تاثر قائم ہورہا ہے کہ جولوگ انگریزی جانتے اور مغربی انداز زندگی سے قریب تر ہیں، وہ ان سے برتر ہیں جو عربی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ فہمی ہویدی کا تبصرہ یہ ہے کہ اس نظام تعلیم کے نتیجے میں مصر کی نئی نسل ابہام کے دور میں جارہی ہے۔

وسطانیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یونیورسٹی کی سطح پر جب تک ایک آزاد تعلیمی ماحول فراہم نہیں کیا جائے گا، حقیقی تعلیم کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ نئی نسل ریاستی دباؤ، معاشی ضروریات اور انتہا پسندی کا شکار ہے۔ کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ نئی نسل کو موقع دینا چاہئیے کہ وہ اختلاف کرے، کانفرنسیں منعقد کرے، ہر سرگرمی میں حصہ اور ہمیں اس سے گھبرانا نہیں چاہئیے''۔ وہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ یونیورسٹی کے ایک گارڈ نے انہیں مرکزی دروازے سے داخل ہونے سے روک دیا کیونکہ وہاں اسلام پسند طالبعلم مظاہرہ کررہے تھے۔ کمال کہتے ہیں کہ اس پر انہوں نے گارڈ سے کہا'' کیا ہمیں اپنے بیٹوں اور

بیٹیوں سے خوفزدہ ہونا چاہیے؟ دروزہ کھولوا! ہمیں ان سے بات کرنی چاہیے۔ وہ معصوم، سادہ اور دیانت دار ہیں۔ ان میں سے بعض جذباتی ہوں گے لیکن وہ ملک وقوم کے وفادار ہیں۔ ہمیں اس وفاداری کی قدر کرنی چاہئیے، اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔'' ان کا مزید کہنا تھا ''کیا ہمیں ایسی نوجوان نسل چاہئیے جو صرف آمین کہنے والی ہو؟ اگر ایسا ہوا تو یہ قومی سطح پر ہماری سیاسی موت کا نقطہ آغاز ہوگا''۔

وسطانیہ کے جدید اسلام پسندوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نوجوان نسل کو عوامی زندگی میں شریک کرنا چاہئے اور انہیں اجتماعی مفاد کا شعور دینا چاہیے۔

☆ تمدنی بحران اور تعلیمی اصلاحات: نئی اسلامی ترشید (راہنمائی)

وسطانیہ کا کہنا ہے کہ تعلیمی اصلاحات اسی وقت ممکن ہوسکیں گی جب ہم تمدنی بحران پر قابو پانے میں کامیاب ہوں گے۔ جدید اسلام پسندوں نے اس تمدنی بحران کے مختلف پہلوؤں پر کثرت سے لکھا۔ طارق بشری نے بطور خاص اسے اپنا موضوع بنایا۔ ان کا کہنا ہے کہ تعلیمی اصلاحات کے لیے ضروری ہے کہ اس طویل سفر میں اسلامی معاشرت وتہذیب کو ایک اہم عامل کے طور پر اہمیت دی جائے۔

دہشت گردی کے بارے میں بھی وسطانیہ کا موقف یہ ہے کہ یہ مغربی تصور قومیت کی تاریخی ناکامی کی سب سے خطرناک علامت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے پھیلنے کا ایک سبب یہ ہے کہ ایک اعتدال پسند متبادل اسلامی فکر کے فروغ کو بالجبر روکا گیا۔ یہ ایک طرح سے امید کی موت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ریاست نے اس اعتدال پسند اسلام کو اپنے لیے اصل حزب اختلاف تصور کیا۔ فہمی ہویدی نے لکھا'' سلامتی کے ذمہ داروں نے اس مسئلہ کو اپنے حوالے سے دیکھا، کیونکہ بنیادی معاشرتی بحران سے نمٹنا دراصل سیاسی وسماجی اداروں کی ذمہ داری تھی اور وہ کہیں موجود نہیں تھے''۔

تمدنی تعمیر نو اور تعلیمی اصلاحات کے لیے ان کا خیال ہے کہ قوم کو وسطانیہ کی روایت سے راہنمائی مل سکتی ہے، جس کے لیے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماضی میں محمد عبدہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ان کے نزدیک خودمختاری کی جدوجہد میں تمدن کے مسئلے کو ترجیح حاصل ہے اور تمدنی تعمیر نو کے لیے پہلا قدم تعلیمی اصلاحات ہیں۔تہذیبی اور سماجی تبدیلی کے لیے دو انجن ہیں: اسلام کا صحیح تصور اور جمہوریت، جو اسلامی تہذیب کے دائرے میں ہو۔تمدنی بحران کے حل کے لیے وسطانیہ کے لوگ کلچر کو سیاست پر ترجیح دیتے ہیں۔وہ سیاسی اسلام (Political Islam) کے علمبرداروں کے مقابلے میں اسلام کو ایک وسیع تر تہذیبی پس منظر میں دیکھتے ہیں۔

شیخ محمد الغزالی نے ۱۹۹۲ء میں اس حوالہ سے ''شہاب'' میں ایک مضمون لکھا جس میں وہ کہتے ہیں: ''مغرب اپنی بھرپور قوت کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوا۔اس نے اپنے مقدس عقائد اور بطور کلچر اسلام کو اپنا نشانہ بنایا۔نوآبادیاتی غلبے کا آغاز ہماری زمین پر عسکری قبضے، ہمارے مذہب، زبان، تہذیب اور اس کے مادی و اخلاقی قوت کے ساتھ اظہارِ نفرت سے ہوا''۔شیخ غزالی کا تجزیہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں بھی اس صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔آج مغرب ہمیں ہتھیار فروخت کرتا ہے لیکن ان میں استعمال ہونے والا بارود اور اس کے پرزے اپنی شرائط کے تحت دیتا ہے۔شیخ غزالی کا موقف یہ ہے کہ اگر عربی ختم ہوگئی تو پھر قرآن عجائب خانوں کی زینت بن جائے گا اور ہمارے ادب اور تاریخی ورثے کا خاتمہ ہو جائے گا۔

وسطانیوں کے نزدیک حکومت طاقت کے حصول سے زیادہ تہذیب کے یہ مظاہر زیادہ اہم ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک محض حکومت جس کے پاس تمام سیاسی قوت ہو، کسی طرح بھی مصری قوم کی تمنا نہیں ہو سکتی۔اس بنا پر وسطانیہ والے سیاسی اسلام کے ناقد ہیں، جو ان کے نزدیک اس بات کو مبالغہ آمیز لہجے میں بیان کرتے ہیں کہ اقتدار مل جانے سے کیا کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔علامہ یوسف القرضاوی اس بحث کو اس طرح سمیٹتے ہیں: ''محض قواعد وضوابط سے کبھی معاشرے وجود میں نہیں آتے۔معاشرے تعلیم اور علم کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔اس کے بعد قواعد کی باری ہے جن کا کردار ایک محافظ کا ہوتا ہے''۔

> عہد رسالت میں مسلمانوں کے یہودیوں سے جھگڑوں کو نصاب سے نکال دیا گیا اور اس کا پس منظر یہ تھا کہ اسرائیل کے ساتھ مصر نے جو معاہدہ امن کیا ھے اسے کامیاب بنایا جائے۔

☆ نئی تعلیمی فقہ

تمدنی تشکیل میں وسطانیہ کے لوگ اپنا کردار ''ترشید'' یعنی راہنمائی کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔اس مقصد کی طرف وہ دو راستوں سے بڑھتے ہیں: ایک اسلامی لہر کے راستے سے جس سے مقصود ''فکر'' کو عقلی بنیاد پر اور ''عمل'' کو تحریک دے کر قومی سطح پر مسلمان عوام کو تعلیمی اصلاحات کے لیے ایک تعمیری کردار ادا کرنے پر آمادہ کیا جائے۔دوسری طرف وہ اپنے فورم سے اسلامی بیداری کے نمائندوں کے طور پر ایک وسیع البنیاد قومی مفاد کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔اس طرح وہ قومی سطح پر ایک اتفاق رائے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ وہ جس طرح کی تمدنی تشکیل نو کے خواہش مند ہیں اس کی طرف تدریجی سماجی عمل کے ذریعے ہی بڑھا جا سکتا ہے۔قومی اتفاق رائے کے لیے یہ جدید اسلام پسند اسلام اور عرب قومیت یا مسلم اور غیر مسلم کے مسائل کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔اسی طرح خدا کی کائنات میں موجود حسن اور ہم آہنگی کو انسانی تخلیقی صلاحیت کے ذریعے دریافت کرنے کو وہ اہم جانتے ہیں اور اپنے تعلیمی اصلاح کے لیے عمومی طور پر اپنی تخلیقیت اور بطور خاص آرٹس کو اہم قرار دیتے ہیں۔وہ اسلام کی اس تعبیر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جس کے تحت اسلامی معاشرے میں موسیقی، رقص یا جمالیاتی اظہار کے لیے کوئی جگہ نہیں۔یہ اسلام پسند عربی زبان کو بہت اہمیت دیتے ہیں جو مصر کے لیے عالم اسلام کے ساتھ مشترکہ تاریخ کے حوالے سے ضرورت ہے اور اس کے ساتھ مصری قوم کے مسلمان اور عیسائی شہریوں میں ان کی رواداری پر مبنی روایت کی امین ہے۔

اب فکری عمل میں وسطانیہ کے لوگ مغربی قومیت، عقل پسندی، عرب قومیت اور اس نوعیت کے دیگر مسائل کو بھی زیرِ بحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتے ہیں۔ یوسف القرضاوی، مثال کے طور پر مذہب اور عقل پسندی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ہمارے لیے سائنس مذہب ہے اور مذہب سائنس ہے''۔ شیخ غزالی جیسے صاحبان علم اپنے اخباری کالموں میں دیگر اہل علم کے ساتھ مکالمہ کرتے رہے ہیں اور بحیثیت مجموعی وہ اسلام کو ایک عقل پسند مذہب کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ اس بات کے بھی علم بردار ہیں کہ معاشرتی زندگی میں معاملات کو دلیل کی بنیاد پر آگے بڑھنا چاہیے۔

فنون کا فروغ

نجیب محفوظ، جنہیں ادب کے نوبل پرائز کا حق دار قرار دیا گیا، کے بعض خیالات پر مذہبی حلقے معترض ہوئے۔ محفوظ کے بارے میں ایک تاثر یہ تھا کہ وہ اسرائیل کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ فہمی ہویدی نے ایک بار نشان دہی کی کہ محفوظ کا ادبی مرکز مصری دانش وروں اور مصر میں کام کرنے والے اسرائیلی محققین کے درمیان خاموش رابطوں کی ایک جگہ ہے۔ اسی طرح نجیب محفوظ اسرائیل کے ساتھ مصر کے امن معاہدے کے بھی حامی تھے۔ اس کے برخلاف شیخ غزالی ایسے کسی بھی امن معاہدے کے خلاف تھے جس کا مقصد فلسطینی علاقوں پر اسرائیل کے غیر قانونی قبضے اور تجاوزات کی توثیق ہو۔

اس پس منظر میں جب نجیب محفوظ پر بعض انتہا پسندوں نے قاتلانہ حملہ کیا جس میں وہ شدید زخمی ہوئے تو شیخ غزالی اس رویے کے شدید ناقد کے طور پر سامنے آئے اور انہوں نے واضح کیا کہ کسی کے ساتھ اختلاف سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کی جان لی جائے۔ انہوں نے اس حملے کو ''اسلام کے خلاف جرم'' قرار دیا۔ جب یہ بات سامنے آئی کہ محفوظ پر حملہ کرنے والے انتہا پسند مذہبی رہنما شیخ عمر عبدالرحمٰن کے متاثرین میں سے تھے تو انہوں نے عبدالرحمٰن کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا کہ ''وہ محدود علمی صلاحیت رکھنے والا، ایک مسجد کے امام کی علمی حیثیت کا حامل شخص ہے جس کا بطور اسلامی سکالر کوئی وزن نہیں''۔ غزالی نے اس الزام کو مسترد کر دیا کہ نجیب محفوظ مرتد ہے یا ان کے خلاف اس تشدد کا کوئی جواز تھا۔ اس تناظر میں شیخ غزالی نے اس تاثر کو بھی غلط قرار دیا کہ اسلام ادب، رقص اور موسیقی کا مخالف ہے۔ جب مصر میں انتہا پسندوں نے کسی وڈیو کلب کو جلایا، کسی تھیٹر پر حملہ کیا یا یونیورسٹی طلبا کے موسیقی کی تقریبات پر حملہ کیا تو وسطانیہ کے لوگوں نے ان کی شدید مذمت کی بلکہ اس رویے کو غیر اسلامی قرار دیا۔

طارق البشری

نجیب محفوظ کے ایک ناول پر ناول نگار اور کمال ابوالمجد کے مابین ایک تحریری مکالمہ بھی ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وسطانیہ کے لوگ آرٹس اور اختلاف رائے کے حوالے سے کس اعتدال پسندانہ رویے کے حامل ہیں۔ وسطانیہ والے یہ خیال کرتے ہیں کہ آرٹس کے بغیر اسلامی معاشرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ غزالی کا کہنا ہے کہ اسلامی تہذیب میں آرٹ کے حوالے سے جو حسن پایا جاتا ہے اور اللہ نے اس کائنات میں حسن و جمال کے جو عجائب تخلیق کیے ہیں، کوئی بیمار ذہن ہی انہیں رد کر سکتا ہے۔ کمال ابوالمجد نے اس حوالے سے لکھا:

> ''ایک فنکار کون ہوتا ہے؟ یہ ایک ایسا فرد ہے جسے اللہ نے ایک غیر معمولی حساسیت سے نوازا ہے۔ وہ ایسے کمال اور حسن کے ساتھ اپنا اظہار کرتا ہے جس پر ایک عام آدمی قادر نہیں ہوتا۔ بطور ایک شاعر، ادیب، مصور، آرٹسٹ وہ اشیاء میں موجود حسنِ اظہار، حسن آواز اور واضح مفہوم تلاش کرتا ہے اور پھر اسے اپنے منفرد اسلوب میں بیان کر دیتا ہے............ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ اسلام اس عمل کے خلاف ہوگا''۔

کمال متوجہ کرتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کی ایک صورت اس کی نعمتوں کی تعریف اور اس کی حمد ہے۔ اب ایک فنکار سے بڑھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کا عبادت گزار کون ہوسکتا ہے جو اپنی خداداد تخلیقی صلاحیت کے باوصف خوبصورت کو بدصورتی سے الگ کر دیتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ وسطانیہ کا تصورحسن اگر انتہا پسندوں سے مختلف ہے تو وہ سیکولر خیالات رکھنے والوں کے بھی موافق نہیں۔ وہ سیکولر طبقے کے اس خیال کو تسلیم نہیں کرتے کہ اظہار رائے کی آزادی کے نام پر آرٹ پر کسی طرح کی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی معاشرے میں موجود بنیادی اقدار کے احترام کے ساتھ ہی آرٹ کو فروغ پانا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی معاشرہ ایسا نہیں جو کچھ مشترکہ تہذیبی اقدار کی بنیاد پر نہ کھڑا ہو۔ ہر معاشرہ سماجی رویوں پر آرٹس سمیت، پابندیاں عائد کرتا ہے جو اس کی اقدار کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس طرح مصر میں بھی جو آرٹ فروغ پائے گا، وہ بھی بعض پابندیوں کا حامل ہوگا۔فہمی ہویدی کے نزدیک پہلی پابندی وہ اقدار ہیں جن کا ماخذ مذہب ہے۔ مصر کے پس منظر میں اس سے مراد اسلام اور عیسائیت ہے۔ دوسری پابندی وہ ہے جو معاشرہ عائد کرتا ہے اور یہ عبارت ہے قومی اقدار اور دستاویزات سے جن میں سب سے نمایاں ملک کا آئین ہے۔ مذہبی اساسات کا تعین بنیادی ماخذ کریں گے۔ جبکہ اعلیٰ مفادات کا تعین معاشرتی اساسات کریں گی۔ مذہب کی اساسات نا قابل تغیر ہیں جبکہ معاشرتی اساسات وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔فہمی ہویدی کا کہنا ہے کہ ایک مسلمان معاشرے میں ترقی سے مراد ان اخلاقی پابندیوں اور ذمہ داریوں سے انحراف نہیں جن کی بنیاد تاریخ اور تہذیب میں ہے۔ آزادی اور ذمہ داری دونوں ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور موجود نہیں۔

> وسطانیہ معاشرت کا جو تصور پیش کرتی ہے اس میں خواتین کی ترقی، غیر مسلموں کی محفوظ حیثیت اور معتدل سیکولر عناصر کی شمولیت اہم ہیں۔

آرٹ کے بارے میں وسطانیہ کے لوگ ایک طرف انتہا پسند سیکولر خیالات کو مسترد کرتے ہیں جو مطلق آزادی کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اس کو روا رکھا جائے تو اس کے مظاہر عریانیت یا توہین مذہب کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ دوسری طرف وہ انتہا پسند مذہبیت کو بھی دینی بنیادوں پر مسترد کرتے ہیں جو موسیقی سمیت ہر مظہرِ آرٹ کو غیر اسلامی قرار دیتی ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی کا کہنا ہے کہ آرٹس کو حرام قرار دینے کے لیے قرآن وسنت میں کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ قرضاوی اورغزالی اس حوالے سے پیش کیے جانے والے دینی دلائل پر نقد کرتے ہیں۔ اسی طرح جب طالبان کی حکومت نے افغانستان میں قدیم بتوں کو تباہ کیا تو اس پر وسطانیہ کے علما نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اس اقدام کو غیر اسلامی قرار دیا۔شیخ یوسف القرضاوی نے فتویٰ دیا کہ یہ بت قبل از اسلام تاریخ کا ایک مظہر ہیں اور اس سے اللہ کی اس رحمت کا اظہار ہوتا ہے کہ کس طرح اس نے اسلام کی نعمت سے انسانیت کو بتوں کی پرستش سے آزاد کیا۔شیخ قرضاوی کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کا کام انسانوں کو آزادی دلانا ہے نہ کہ تاریخی مظاہر کو تباہ کرنا۔

۲ – معاشرہ

معاشرے کے حوالے سے ''وسطانیہ'' دو امور پر اپنی توجہ مرتکز کرتی ہے: تعمیر معاشرت، ایک معاشی نظام کی تشکیل۔

تعمیر معاشرت

معاشرے میں موجود اختلافات کے باب میں وسطانیہ کا موقف یہ ہے کہ آج انہیں مکالمے کی بنا پر حل کیا جائے اور آنے والے کل کے لیے تعلیم کو بہتر بنایا جائے۔ وہ خود کو بیچ کی راس قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں ان راہنما اصولوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں وہ معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ماخذ کی تعبیر کے لیے اختیار کرتے ہیں۔

۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کی دہائیوں میں، جب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تشدد معاشرے کا واحد مسئلہ ہے، وسطانیہ کے لوگ جہاں ان تشدد پسندوں کی مذمت کرتے تھے جو حکومت اور معاشرے کی تکفیر کرتے ہوئے ان کے خلاف اعلان جنگ کیے ہوئے ہے وہاں وہ اس بات کو بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے کہ جن لوگوں نے تشدد کو اپنایا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اب نا قابل اصلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ایک واقعہ سے اس کی بہتر تفہیم ہوسکتی ہے۔۱۹۸۸ء میں جیل سے تین قیدی فرار ہو گئے جنہیں انوار سادات کے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا ہوچکی تھی۔ان کا تعلق جہاد گروپ سے بیان کیا گیا اور پھر ان کے تعاقب میں حکومت نے کئی بے گناہ لوگوں کو گرفتار کیا اور سماجیہ سمیت بہت سے مقامات پر کارروائی کی۔اس پر ملک میں بہت لے دے ہوئی۔اس موقع پر شیخ الازہر نے حکومت کے حق میں فتویٰ دیا اور انتہا پسندوں کی مذمت کی۔اس کے برخلاف وسطانیہ کے افراد نے معاشرے کے اہل علم سے رابطہ کے بعد ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں ایک طرف انتہا پسندوں کی مذمت کی گئی تو دوسری طرف حکومت کی خرابیوں کو نمایاں کیا گیا اور اسے بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔اس بیان پر شیخ محمد الغزالی کے دستخط تھے اور اس کی تیاری میں یوسف القرضاوی بھی شریک تھے۔ان اہل علم نے معتدل اصلاحات کے لیے ایک طویل المدتی پروگرام بھی تجویز کیا۔انہوں نے کرپشن، جبر سمیت ریاستی نظام میں موجود خرابیوں کی نشان دہی کی اور یہ واضح کیا کہ معاشرے میں انتہا پسندانہ رجحانات کے فروغ کے اسباب کیا ہوتے ہیں۔

علامہ یوسف القرضاوی کا کہنا ہے کہ آرٹس کو حرام قرار دینے کے لیے قرآن وسنت میں کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ قرضاوی اور غزالی اس حوالے سے پیش کیے جانے والے دینی دلائل پر نقد کرتے ہیں۔

☆ اجتہاد اور اسلامی معاشرت کا تصور

اس سارے عمل کے دوران اگر جدید اسلام پسندوں نے انتہا پسندانہ افکار اور رویوں کو مسترد کیا تو ساتھ ہی حکومت کی خرابیوں کی بھی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اس مسئلے کا حقیقی حل سماجی اصلاحات میں مضمر ہے۔اس بحث میں انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ قوانین کا نفاذ اور جزا و سزا حکومت کا اختیار ہے اور یہ حق کسی گروہ نہیں دیا جا سکتا۔انہوں نے اس اعتراض کو بھی رد کر دیا کہ مصری حکومت غیر اسلامی ہے۔

وسطانیہ کے اصحاب علم جب معاشرتی اصلاح کی بات کرتے ہیں تو اس کے لیے اجتہاد کی ضرورت کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ ان کے منشور میں واضح طور پر لکھا ہے کہ نئے اجتہاد کے سوا احیائے اسلام ممکن نہیں۔''احیاء دین کے لیے برپا ہونے والی ہر تحریک کو یہ ذمہ داری ادا کرنا ہوگی یا پھر جمود اور تقلید کا خطرہ مول لینا ہوگا''۔اس حوالے سے وہ ان سوالات کو زیر بحث لاتے ہیں کہ اس دور میں مسلمانوں کو بنیادی ماخذ قرآن اور سنت سے کس طرح راہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔

☆ سنت سے استفادہ

اس باب میں شیخ محمد الغزالی کی کتاب ''سنت رسول اہل حدیث اور اہل فقہ کے مابین'' کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔شیخ کا کہنا ہے کہ ''اصل خطرہ نیم مذہبی اور نیم تعلیم یافتہ لوگوں سے ہے''۔غزالی دونوں گروہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے شدید مایوس ہیں جو قرآن کو نظر انداز کرتے ہیں سنت کے غلط استعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔یہ لوگ قرآنی احکام کا کوئی علم نہیں رکھتے اور محض سنت کی بنیاد پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس طرح لوگوں میں ابہام پیدا کرتے ہیں۔ایک مسلمان معاشرے کی تشکیل کے لیے وہ قرآن سے راہنمائی کو مرکزیت دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ بعض ضعیف احادیث کی بنیاد پر انتہا پسند گروہ ان مسائل کو توجہ کا مرکز بناتے ہیں جو ثانوی نوعیت کے ہیں اور جو ایمان یا اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود سے متعلق نہیں ہیں۔وہ ایسے سوالات کو چھیڑتے ہیں جیسے رسالتمآب ﷺ نے سفر معراج میں کیا فی الواقع اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا کیا حضرت موسیٰ نے موت کے فرشتے کو مارا تھا۔ ایسے سوالات اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یا تو صحیح حدیث کا مفہوم غلط سمجھا ہوتا ہے یا پھر کسی ضعیف روایت کو بنائے استدلال بنایا ہوتا ہے۔شیخ غزالی کا کہنا ہے کہ اس نوعیت کے مسائل کو تعبیر کے اختلاف کے ذیل میں بیان کیا جانا چاہیے نہ کہ صحیح یا غلط عقیدے کے تحت۔اس رویے کی اصلاح کے باب میں سب سے مستند حوالہ قرآن مجید ہے۔ وہ یا تو کسی مسئلے پر ایک واضح حکم دیتا ہے یا کسی مسئلے پر راہنما اصول بیان کر دیتا ہے۔دوسرا یہ کہ سنت قرآن کے بعد آتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو قرآن کے بیان کی تفہیم اور وضاحت کرتی ہے۔ اس لیے وہ قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ قرآن اور سنت کو ایک ساتھ دیکھنا چاہیے، تاہم قرآن کو ترجیح حاصل ہے۔ تیسرا یہ کہ چونکہ قرآن اور سنت لکھے ہوئے ماخذ پر مبنی ہیں، اس لیے ان کے بعض ایسے مفاہیم ہوسکتے ہیں جو بظاہر الفاظ میں موجود نہیں، اس لیے ان کے فہم میں اختلاف ناگزیر ہے اور اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چوتھا یہ کہ اجتہاد میں موجود لچک اور فقہ کے اختلافات اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر عہد کے مسائل کو زیر بحث لاسکتا ہے۔ جو چیز ناقابل تغیر ہے وہ قرآن وسنت کے عمومی اصول اور اسلام کی اعلیٰ اقدار ہیں۔

وسطانیہ معاشرت کا جو تصور پیش کرتی ہے اس میں خواتین کی ترقی، غیر مسلموں کی محفوظ حیثیت اور معتدل سیکولر عناصر کی شمولیت اہم ہیں۔

☆ خواتین کی ترقی

وسطانیہ نے اپنے منشور میں خواتین کے بارے میں جو متفقہ رائے قائم کی ہے، اس کی بنیاد ایک ایسے خاندان کے قرآنی تصور پر ہے جس کی قیادت مرد کے پاس ہے۔ منشور الفاظ میں ''اسلام مرد اور عورت کو انسانیت کا جوہر اور تخلیقی وحدت کا اظہار قرار دیتا ہے''۔ خاندانی زندگی کی بنیاد، اس منشور کے مطابق، شریک حیات کے انتخاب کی آزادی پر ہے جس میں ذمہ داریوں میں شرکت، اختلاف رائے اور باہمی محبت کو بنیادی عناصر کی حیثیت حاصل ہے اور اس خاندانی نظام میں مرد کو قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ یہ قیادت کسی طرح بھی عورت کی کمتر یا غیر مساوی حیثیت کا اظہار نہیں ہے۔

کمال ابوالمجد

وسطانیہ کا تجزیہ ہے کہ قرآن کے احکامات کو نظر انداز کرنے کے باعث بعض جگہوں پر عورت کی ترقی، عملی سست روی یا تعطل کا شکار ہے۔ وہ اس کے لیے کوشاں ہیں کہ قرآن وسنت کی روشنی میں عورت کے پبلک اور پرائیویٹ مقام کا صحیح تعین ہونا چاہیے۔

وسطانیہ کے لوگ اپنی زندگیوں میں خواتین کے غیر معمولی کردار کے معترف رہے ہیں۔ کمال ابوالمجد نے کئی مرتبہ اپنے خیالات پر اپنی بیوی کے اثرات کا ذکر کیا۔ یوسف القرضاوی فخر کے ساتھ اپنی بیٹیوں کی غیر معمولی تعلیمی قابلیت کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اس سلوک کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں جو طالبان نے اپنے عہد اقتدار میں خواتین کے ساتھ روا رکھا۔ یوسف قرضاوی ذکر کرتے ہیں کہ جب ان کی بیٹی کالج میں پڑھتی تھی تو اس کے لیے ایک رشتہ آیا۔ لڑکے کی شرط یہ تھی کہ لڑکی شادی کے بعد کام نہیں کرے گی۔ وہ کہتے ہیں یہ تجویز گھر میں زیر بحث آئی۔ بیٹی کا کہنا تھا کہ وہ شادی کے بعد بھی کام کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ یہ رشتہ مسترد کر دیا گیا۔

شیخ غزالی نے خواتین کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر مبنی، ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے معاشرتی زندگی میں عورت کے متحرک کردار کو جائز قرار دیا اور اس ضمن میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کی مثال پیش کی اور ادب، لٹریچر اور علم حدیث وفقہ میں ان کے غیر معمولی کردار کو نمایاں کیا۔ وہ اس حوالہ سے عملی نوعیت کا یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ ''عرب اسلامی دنیا کے پسماندہ معاشرے کیا اس بات کے متحمل ہوسکتے ہیں کہ وہ اپنے نصف انسانی وسائل کو سرے سے نظر انداز کر دیں؟'' وہ اس روایت کو بھی زیر بحث لاتے ہیں جس کے تحت رسالت مآب ﷺ کو جب ایران میں ایک خاتون کی حکمرانی کی خبر ملی تو آپ نے اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔ شیخ غزالی کا کہنا ہے کہ معاشرے کی قیادت اسی کے پاس ہونی چاہیے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے، قطع نظر اس کے وہ مرد ہے یا عورت۔ شیخ غزالی ان پابندیوں پر بھی تنقید کرتے ہیں جو سعودی علما نے خواتین پر عائد کیں۔ وہ نقاب کو عربی تہذیب سے متعلق قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وسطانیہ کے راہنما جن میں شیخ غزالی، یوسف قرضاوی، طارق بشری اور فہمی ہویدی شامل ہیں، نقاب کو غیر اسلامی سمجھتے ہوئے حجاب کے قائل ہیں جس کے تحت عورت اپنا سر ڈھانپتی اور چہرہ کھلا رکھتی ہے۔ وہ اسے مذہبی حوالے سے لازمی قرار دیتے ہیں۔ تاہم کمال ابوالمجد اور سلیم العوا اسے یہ اہمیت دینے پر آمادہ نہیں۔ شیخ غزالی کا کہنا ہے ''مجھے چہرے کے پردے سے زیادہ اس پردے پر تشویش ہے جو ذہنوں پر پڑتا ہے''۔

☆ مطالعۂ قرآن کے اصول

اس باب میں وسطانیہ کے اہل علم نے کوئی باضابطہ کتاب نہیں لکھی تاہم انہوں نے اپنی کتابوں میں جس طرح قرآن مجید سے استدلال کیا ہے اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کو کیسے سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر غزالی جب سورہ نساء کی اس آیت پر غور کرتے ہیں کہ ''مرد عورتوں کے قوام ہیں'' تو وہ اس تعبیر کو رد کرتے ہیں کہ یہ بطور جنس عورتوں پر مردوں کے غلبے کی بات ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں یہ ایک گھر میں مرد (خاوند) کا ذکر ہے۔ اس طرح جہاں مرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ عورت کو مار سکتا ہے۔ اسے بھی وہ ''نشوز'' کی شرط کے تحت جائز قرار دیتے ہیں اور اسے ''شبہات کو جنم دینا اور ازدواجی زندگی کو ہلا دینا'' قرار دیتے ہیں۔

شیخ محمد الغزالی

شیخ غزالی کا کہنا ہے کہ وہ دس برس کے تھے کہ انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور عمر کی آٹھویں دہائی تک وہ مسلسل قرآن پر غور کر رہے ہیں تاہم وہ اس کے مفہوم سے ایک حد تک ہی آگاہ ہو سکے، اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن پر غور و فکر کا عمل کبھی منقطع نہیں ہو سکتا اور اس حوالہ سے نئی تعبیرات سامنے آتی رہیں گی۔ شیخ غزالی کے کام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کو متفرق اقوال کا مجموعہ قرار دے کر الگ الگ ان کا مفہوم متعین کرنے کے خلاف ہیں بلکہ اسے اسلام کے پیغام کی غلط تعبیر کی ایک بنیادی وجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں ایک آیت کو مکمل سورہ کے تناظر میں سمجھنا چاہیے۔ اور اسی طرح ایک سورہ کو بھی پورے قرآن مجید کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شیخ غزالی نے اس اصول کو سورہ نساء کی تفہیم میں اختیار کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ سورہ انسانوں کے سماجی تعلقات کو بحیثیت مجموعی زیر لاتی ہے نہ کہ یہ عورتوں کو بطور خاص اپنا موضوع بناتی ہے۔ چونکہ خواتین بھی سماجی تعلقات کا ایک حصہ ہیں اس لیے وہ بھی میں زیر بحث آتی ہیں۔

شیخ یوسف القرضاوی متن کی تفہیم میں زبان و بیان کے پہلو کو بھی اہم سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض امور کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے اور بعض کو مبہم رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہن استعمال کریں یعنی اجتہاد کریں اور اس کے معنوں تک رسائی حاصل کریں۔ وہ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ چاہتا تو دین کی تمام تعلیمات کو واضح لفظوں میں اس طرح بیان کر دیتا کہ ان پر نہ کوئی سوال اٹھتا اور نہ ہی کسی اجتہاد کی ضرورت پیش آتی۔ یوں جو انکار کرتا وہ اسی وقت کافر قرار دے دیا جاتا''۔ اللہ نے ایسا نہیں کیا تاکہ مذہب کی فطرت، زبان کی فطرت و ساخت وقت اور انسانی ضروریات کے مطابق ہو اور دین اہل ایمان کے لیے آسان ہو۔

شیخ قرضاوی نے یہ بھی بیان کیا کہ قرآن اور سنت کی بھی اسی طرح ایک زبان ہے جس طرح کسی کتاب کی ہوتی ہے۔ یعنی کچھ الفاظ ہیں اور اسالیب کلام ہیں۔ اسی طرح کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں۔ بعض حقیقی معنی لیے ہوئے ہیں اور بعض مجازی۔

☆ غیر مسلموں کا مقام

کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ مسلمان ممالک میں بالعموم غیر مسلموں کو بطور شہری وہ مساوی مقام نہیں مل سکا جو اسلام انہیں دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاہم وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف مسلمان ملکوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بعض غیر مسلم ممالک بھی ایسے ہیں جو قانونی طور پر تمام شہریوں کو مساوی حقوق دیتے ہیں لیکن معاشرتی زندگی میں اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ مصر کے تناظر میں ان کا کہنا ہے کہ اسلام اور مسیحیت بہت سی اقدار میں اشتراک رکھتے ہیں جن میں سچ، دیانت، انصاف وغیرہ شامل ہیں۔ اگر انہیں بنیاد بنالیا جائے تو قومی وحدت کے لیے کام کیا جاسکتا ہے۔ یوں اسلام اور عیسائیت مل کر اس ''تہذیبی مذہب'' کی تشکیل کرتے ہیں جو قومی وحدت کی اساس بن سکتا ہے۔ وسطانیہ کے منشور میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ ''مذہب اور عملی زندگی کی علیحدگی کے حوالے سے معاشرت کا سیکولر تشخص ایک کثیر المذہبی معاشرے میں فرقہ وارانہ مسئلے کا صحیح حل نہیں۔ سیکولرزم، اس تعبیر کے تحت مرض کے علاج کی بجائے مریض کی موت کا سبب بن جائے گا''۔ منشور کے مطابق اس مسئلے کا صحیح حل ہے کہ لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو۔ دوسرا یہ کہ اکثریت کا حق اقتدار تسلیم کرتے ہوئے اقلیت کو تمام حقوق دیے جائیں۔

☆ نفاذ شریعت کا مسئلہ

شیخ یوسف القرضاوی کے نزدیک اسلام جب تصورات سے مسلمان معاشرے کی سماجی حقیقتوں کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اس سے شریعت وجود میں آتی ہے۔ جدید اسلام پسندوں کے نزدیک کامیاب اسلام نفاذ سے مراد یہ ہے کہ بنیادی ماخذ میں موجود خدائی حکمتوں کو اچھی طرح سمجھا جائے اور پھر عقل کو استعمال کرتے ہوئے ان حکمتوں یا مقاصد کو ایک خاص معاشرے پر منطبق کیا جائے۔ اس کا تعلق فقہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح شریعت اور فقہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ شریعت الہامی ہے جبکہ فقہ انسانی کاوش۔ وسطانیہ کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک معاشرت وجود میں آتی ہے تو شریعت اس کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ شریعت کے احکامات قرآن وسنت پر مبنی ہیں۔ اس طرح شریعت کی نوعیت الہامی ہے۔ کمال ابوالمجد کے الفاظ میں ایک مسلمان اسی وقت مسلمان ہوسکتا ہے جب وہ شریعت پر عمل کا انتخاب کرتا ہے۔ یوں شریعت ایک طریقۂ زندگی ہے جو اللہ کے نازل کردہ ان اصولوں پر مبنی ہے جو مختلف حوالوں سے انسانی تعلق کو بیان کرتے ہیں:

> اسلام جب تصورات سے مسلمان معاشرے کی سماجی حقیقتوں کی طرف مراجعت کرتا ھے تو اس سے شریعت وجود میں آتی ھے۔

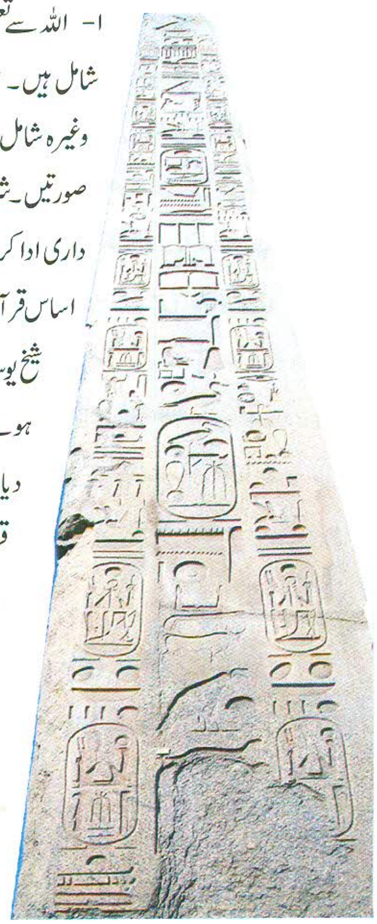

۱- اللہ سے تعلق جس میں نماز، روزہ، یا جیسا کہ قرآن وسنت میں واضح طور پر بیان ہے، احکامات شامل ہیں۔ ۲- دوسرے مسلمانوں سے تعلق جس میں دیانت، شفقت اور مادی قوانین جیسے وراثت وغیرہ شامل ہیں۔ ۳- غیر مسلموں سے تعلق۔ ۴- معاشرے سے تعلق۔ ۵- زندگی کی دیگر تمام صورتیں۔ شریعت کے یہ مختلف پہلو انسان کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ کی ذمہ داری ادا کر سکے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ شریعت چار بنیادوں پر قائم ہے۔ ان میں دو کی اساس قرآن وسنت اور دو سماجی حقائق پر مبنی ہیں۔

شیخ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے کہ شریعت کے احکام جو قرآن وسنت پر مبنی ہیں وہ تبدیل نہیں ہوتے۔ تاہم حکم کی تعبیر کا تعلق اس مقصد سے ہوتا ہے جس کے حصول کے لیے کوئی خاص حکم دیا جاتا ہے، اس طرح وہ زمان ومکان کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوجاتا ہے۔ شیخ قرضاوی نے لکھا کہ قرآن میں اس کی بنیادیں موجود ہیں کہ کس طرح تبدیل شدہ حالات کی رعایت سے غیر متبدل مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، احکام میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ ان کے نزدیک ایسی مثالیں سنت میں بھی موجود ہیں۔ فقہ کے چاروں مذاہب تبدیلی کے اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ''مسلمان شریعت کا پابند ہے نہ کہ کسی خاص فقہ یا فقیہ کی رائے کا''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتہا پسندوں کے مطالبہ نفاذ شریعت کے جواب میں جدید اسلام پسندوں کا موقف یہ ہے کہ شریعت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو مسلمان معاشرں میں خارج سے لا کر نافذ کی جاتی ہے جہاں اسلامی معاشرہ موجود ہے وہاں کسی حد تک شریعت نافذ ہوتی ہے۔ کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ شریعت صدیوں سے عرب مسلمان معاشروں کا لازمی حصہ ہے۔ اسلام پسندوں کا کام یہ ہے کہ وہ نفاذ شریعت کے اس جزوی عمل کی تکمیل کریں۔ یہ صرف انسانی فکر ہے جو اس کی ضمانت دے سکتی ہے۔ وہ نفاذ شریعت کی اس ترتیب کو مسترد کرتے ہیں جس کے تحت نفاذ حدود کو اولیت دی جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک انصاف پر مبنی معاشرہ کا قیام حدود کے نفاذ کی ناگزیر ضرورت ہے اس لیے پہلے اس کے قیام پر توجہ دینی چاہیئے۔ اس طرح وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک صریح نص کی موجودگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ذہن اور اجتہاد کا کردار ختم ہو گیا ہے۔ ایک نص کی تفہیم اور نصوص میں کسی ممکنہ تضاد کا حل تلاش کرنا بھی اجتہاد ہے۔ شیخ قرضاوی اس بحث کو اس طرح سمیٹتے ہیں کہ کسی خاص حکم پر مبنی نصوص کا یہ مفہوم لینا چاہیے کہ وہ ہمیں ایک راہنما اصول دے رہے ہیں نہ کہ کوئی مقید حکم۔

☆ معتدل سیکولر طبقے کی شمولیت

محمد سلیم العوا

وسطانیہ اس بات کی قائل ہے کہ سماجی تعمیر کے لیے معاشرے کے تمام طبقات کو ساتھ کر چلنا چاہیے جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آپ سے نظریاتی اختلاف رکھتے ہیں۔ احیا اور اصلاح کے بارے میں ان کے منشور میں لکھا ہے کہ یہ ایسا کام نہیں ہے جسے معاشرے کا کوئی طبقہ تنہا سرانجام دے سکے۔ اس کا بوجھ تمام طبقات اور عناصر کو مل کر اٹھانا ہوگا۔ وہ جو لوگ آزادی اور انصاف پر یقین رکھتے ہیں اور معاشرتی احیا کے خواہش مند ہیں وہ انہیں مخاطب کرتے ہیں کہ وہ آگے آئیں اور ان نظریات وافکار کی ان دیواروں کو پھلانگ کر قومی تعمیر کے لیے اکٹھے ہو جائیں اور اس نعرے کو اختیار کریں کہ ''اتفاق میں تعاون، اختلاف میں صرف نظر''۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مصر کی معاشرتی نبت اگرچہ اسلامی ہے لیکن وہ سماج میں سیکولر دانش وروں کے کردار کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتے اور انہیں اہم شمار کرتے ہیں۔ کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ سیکولرزم کے مفہوم کو عام طور پر غلط سمجھا گیا ہے۔ ''معتدل سیکولرزم'' ہی ایک اسلامی معاشرے کا حصہ بن سکتا ہے۔ تاہم وہ اس انتہا پسند سیکولرزم کو قبول نہیں کرتے جو اس اصول کو مسترد کرتا ہے کہ معاشرے کی تشکیل شریعت کی بنیاد پر ہونی چاہیئے۔ کمال کے نزدیک اسلام سیکولرزم کے اس تصور کو رد کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ معاشرتی معاملات کی تشکیل میں مذہب کا کوئی کردار نہیں ہونا چاہئے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مغرب میں جہاں مذہبی پس منظر مسیحی ہے، وہاں اس کی توجیہ کی جا سکتی ہے (لیکن مسلمان معاشرے میں نہیں)۔ شیخ یوسف القرضاوی کا کہنا ہے کہ ''وہ سیکولرزم جو مذہب اور معاشرے کو الگ کرتا ہے، وہ اسلام کی فطرت سے متصادم ہے کیونکہ وہ اسلام کی اس حیثیت کے لیے خطرہ ہے جو ایک جامع نظام زندگی ہے''۔ تاہم وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام کسی مذہبی ریاست کے قیام کی بات نہیں کرتا بلکہ وہ جمہوریت کا قائل ہے اور یہ وہی تصور ہے جو سیکولر عناصر پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ''سیکولر'' سے مراد یہ ہے کہ اقتدار کا ماخذ عوام کی رائے ہے تو یہ کوئی ایسا امر نہیں جو اسلام سے متصادم ہے۔ کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ ایک ریاست کا اسلامی تشخص شہریوں کے درمیان مکمل مساوات کے اصول کو تسلیم کرتا ہے۔ اگر کہیں اس اصول کی خلاف ورزی ہو رہی ہے تو یہ افراد کا قصور ہے نہ کہ اسلام کا۔

☆ شریعت اور خواتین وغیر مسلموں کے حقوق

یہ وسطانیہ کے نزدیک ایک اہم مسئلہ ہے۔ چنانچہ وہ اس ضمن میں اٹھنے والے مسائل، مثال کے طور پر خواتین کی قانونی گواہی، وراثت، طلاق و نکاح کے معاملات میں خواتین کی آزادئ رائے اور خواتین کے ختنہ وغیرہ پر اکثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار خیال کرتے ہیں۔ اس طرح وہ مصر کی معاشرتی تکمیل میں غیر مسلموں کے کردار کو بھی کثرت سے اپنا موضوع بناتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا میں یا مصر میں اسلام یا مسلمان تنہا نہیں ہیں (وہ ایک بڑی اجتماعیت کا حصہ ہیں)۔ وہ ہر مذہب اور مکتب فکر کے معتدل عناصر کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ معاشرتی تعمیر میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ وہ اس بات کو ناقابل قبول قرار دیتے ہیں کہ مصر کے مسیحی شہریوں اور خواتین کو نظر انداز کر کے معاشرے کے احیا کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ عمومی معاشرتی رویوں کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جن کے تحت لوگ غلط مذہبی تصورات کی بنیاد پر ترجیحات کے تعین میں غلطی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ اس رجحان کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ لوگ کثرت سے عمرہ کرتے ہیں اور رمضان میں عمرہ کرنے والوں کی تعداد حج کے اجتماع کے برابر ہونے لگی ہے۔ فہمی ہویدی اس مذہبی رجحان کو قابل قدر سمجھتے ہوئے سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا خود اسلام اس کی تبلیغ کرتا ہے کہ ہم معاشرتی ذمہ داریوں سے انحراف کرتے ہوئے صرف شخصی مذہبی جذبے کی تسکین کا سامان کریں؟ وہ اسے خود غرضی پر مبنی رویہ قرار دیتے ہیں لوگ ذاتی نجات کی فکر کریں لیکن اپنی سماجی ذمہ داریوں سے صرف نظر کریں۔ وہ اس طرح کے مذہبی تصورات کو بھی ہدف تنقید بناتے ہیں جن میں مذہب کے ظاہری پہلو پر اصرار ہوتا ہے لیکن اس کی روح کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جو اپنے نام کے لیے ایک مسجد کی تعمیر پر (غیر ضروری طور پر) ہزاروں خرچ کر دیں گے لیکن معاشرے کے لیے ہسپتال یا سکول بنانے پر ایک پیسہ خرچ نہیں کرتے۔ اس طرح وہ نماز کے لیے وقت کی پابندی کرتے ہیں لیکن اپنے دفتر وقت پر جانے اور اپنا کام پوری طرح کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ شیخ غزالی اس رویے کے شدید ناقد ہیں کہ لوگ اپنی تمام خرابیوں کا سبب مغرب کو سمجھتے ہیں اور داخلی اسباب پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔

شیخ غزالی اس رویے کے شدید ناقد ہیں کہ لوگ اپنی تمام خرابیوں کا سبب مغرب کو سمجھتے ہیں اور داخلی اسباب پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔

فہمی ہویدی اس مذہبی ذہنیت پر بھی معترض ہیں جس کے تحت لوگ قدیم مسائل میں الجھے رہتے ہیں اور معاشرے کو درپیش نئے مسائل پر غور نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن اپنے عہد کے لوگوں کی جانب سے اٹھائے گئے سوالات کو مخاطب کرتا ہے۔ مثلاً ''یہ قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' یا ''یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں''۔ اگر قرآن کا اسلوب مستعار لیا جائے تو آج یہ کیوں نہیں ہوتا ہے کہ ''لوگ جمہوریت کے بارے میں سوال کرتے ہیں''، ''وہ معاشرتی ترقی کے بارے میں پوچھتے ہیں''۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے ذہن کو آگے بڑھنا چاہئے اور عصری مسائل کو اپنا مخاطب بنانا چاہیے۔

ایک معاشی نظام کی تشکیل

معیشت کے بارے میں وسطانیہ کا عمومی موقف یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا نائب ہے اور اسے اسی حوالے سے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ ان کے نزدیک استخلاف کا ایک مطلب یہ ہے کہ سرمایہ اور دولت ایک مقدس امانت ہے نہ کہ محض ایک جنس ہے۔ معاشی اداروں اور وسائل کو زمین پر ایک عادلانہ نظام کی تشکیل کے اسلامی مقصد کے لیے صرف ہونا چاہئیے نہ کہ منافع خوری کے لیے۔ وہ دور جدید کے غالب معاشی نظام کے شدید ناقد ہیں جو کنزیومرزم (Consumerism) پر مبنی اور اخلاقی اقدار سے بے نیاز ہے۔

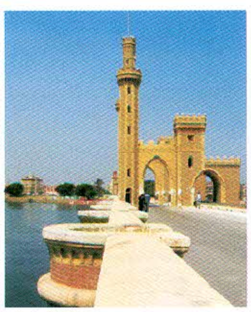

☆ معاشی سرگرمی کے لیے اخلاقی ضابطے کی ضرورت

استخلاف سے مراد یہ ہے کہ مذہبی، قومی اور صنفی اعتبار سے قطع نظر، انسان کے بنیادی حقوق مساوی ہیں۔ یہ بیک وقت انسانوں کا حق ہے اور اللہ کا بھی۔ یہی شریعت کا مقصد بھی ہے۔ یہ حقوق روحانی ہیں اور مادی بھی۔ شریعت انسان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جان، عقل، مذہب، عزت اور سرمایے کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ ان میں سے کسی حق کی خلاف ورزی اللہ کے حق کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ اسلام میں ان حقوق کا تحفظ دراصل ایک مذہبی ذمہ داری ہے۔ فہمی ہویدی کے مطابق اگر اللہ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر شرف بخشا ہے تو اس کا ایک مقصد ہے اور وہ مقصد ترقی اور تعمیر کے لیے انسان کو طاقت بخشنا ہے۔

وسطانیہ کے لوگ اسلامی بینکنگ کے تجربات کی تحسین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی اقدار کی بنیاد پر تشکیل پانے والے جامع تہذیبی منصوبے کا یہ اہم تقاضا ہے کہ معاشی سرگرمیوں کو مذکورہ بالا تصور کے تحت دیکھا جائے۔ اس تہذیبی منصوبے کے معاشی پہلو پر یوسف القرضاوی نے اہم اور قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ استخلاف کو بنیاد مانتے ہوئے وہ اسلامی معیشت کے الہامی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خدائی مقصد کے حصول کے لیے اسلام نے معاشی عمل کے لیے خصوصی ہدایات دی ہیں اور قدغنیں بھی عائد کی ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جیسے زکوٰۃ کی فرضیت اور سود (ربا) کی ممانعت۔ دیگر معاشی نظام حصول رزق اور معاشی ترقی کو فی نفسہ مطلوب مانتے ہیں جبکہ اسلام ان کو ذرائع کی حیثیت دیتے ہوئے ساری توجہ اس پر مرکوز کرتا ہے کہ انسان کو مادیت کی ناانصافی سے نجات دلا کر اسے بطور ایک اخلاقی وروحانی وجود، ترقی دی جائے۔

قرضاوی معاشی نظام میں توازن کو بھی بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ توازن سے ان کی مراد یہ ہے کہ انفرادی حقوق کے بارے میں وہ مبالغہ آمیز رویہ نہ اختیار کیا جائے جو سرمایہ داری کے ساتھ ہے اور نہ معاشرتی حقوق پر وہ اصرار ہو جو سوشلزم میں پایا جاتا ہے۔ وسطانیہ کا کہنا ہے کہ ایک معاشی نظام کو ان امور کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ جہاں تک اس کی کوئی شکل یا نظام ہے تو اس پر انہیں اصرار نہیں اور نہ ہی وہ کسی متعین نظام کو پیش کرتے ہیں۔

وسطانیہ والوں نے مصر میں زکوٰۃ کو ایک مسئلے کے طور پر اپنا مخاطب بنایا کیونکہ وہاں بہت سے مسلمان یا تو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا بعض لوگ عدم ادائیگی کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ ریاست کے ٹیکس ادا کر کے وہ اس ذمہ داری سے سبک دوش ہو گئے ہیں۔ بعض لوگ یہ موقف بھی اختیار کرتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے کے بعد اب وہ ریاستی ٹیکس دینے کے پابند نہیں ہیں۔ وسطانیہ کے لوگ اس پر زور دیتے ہیں کہ زکوٰۃ مسلمانوں پر نماز اور روزے کی طرح فرض ہے اور انہیں ضرور ادا کرنی چاہیے۔

جامع مسجد، جامعہ ازہر، مصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ معاشی شعبے کے تجربات

وسطانیہ کے لوگ کسی اسلامی معاشی نظام کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ اس معاملے کو انسانی تجربے سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں مصر میں سرمایہ کار کمپنیوں نے معاشی سرگرمی پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ تجربہ ناکام ہوا اور اس میں بحیثیت مجموعی آٹھ ملین مصری پونڈ کا نقصان ہوا۔ فہمی ہویدی اس کے دو اسباب بتاتے ہیں۔ ایک یہ کہ تیل کی دولت سے مالا مال عرب ملکوں میں کام کرنے والے مصریوں نے سرمایہ بڑے مقدار میں اپنے ملک بھجوایا جسے ان کمپنیوں نے کھینچ لیا۔ دوسرا یہ کہ قومی بینک ایسی پرکشش سکیمیں فراہم کرنے سے قاصر رہے جن کی وجہ سے ان لوگوں کا رخ ان بینکوں کی طرف ہوتا۔ ان کمپنیوں نے سرمایے کے حصول کے لیے اسلام کا نام بھی استعمال کیا اور یہ اعلان کیا کہ وہ جو منافع دے رہے ہیں وہ حلال ہے۔ کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ اس معاملہ میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ ان کمپنیوں کے ایڈوائزری بورڈز میں علماء کی موجودگی، اس کے حلال ہونے کی ضمانت نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اسلام کو جانتے ہوں لیکن معاشی عمل کی حرکیات سے ناواقف ہوں۔

وسطانیہ مصر میں ہونے والے اسلامی بینک کاری کے تجربات کے بھی حامی ہیں۔ جب ریاست کی طرف سے ان بینکوں کے خلاف ایک مہم شروع ہوئی تو شیخ الازہر سید طنطاوی نے یہ فتویٰ دیا کہ بینک کے سود کو ربا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب بینک کا سود حرام نہیں ہے تو پھر اسلامی بینک کاری کی کوئی ضرورت نہیں۔ وسطانیہ نے اس مہم کے خلاف آواز اٹھائی اور اسلامی بینک کاری کو ضروری قرار دیا۔ بینک کے سود کے ربا ہونے یا نہ ہونے پر شیخ یوسف القرضاوی نے شیخ الازہر سے اختلاف کیا۔ تاہم وسطانیہ کے لوگ دوسرے معاشی مسائل پر نظریاتی اختلاف کو قبول کرتے ہیں اور ان مسائل پر آزادانہ غور فکر کے حامی ہیں۔ کمال ابوالمجد کا کہنا ہے کہ اسلامی بینکاری ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔ اسے میڈیا کی مہم نہیں بننا چاہیئے بلکہ اس پر سائنسی انداز میں سنجیدہ غور و فکر ہونا چاہیئے۔ وہ اس مسئلہ کا عملی حل پیش کرتے ہیں کہ اس باب میں لوگوں کو مجبور نہیں کیا جانا چاہیئے۔ اگر دونوں طرح کے تجربات ایک ساتھ جاری رہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وسطانیہ کے لوگ کسی اسلامی معاشی نظام کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ اس معاملے کو انسانی تجربے سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

☆ عالمگیریت کے دور میں معاشی ترقی

وسطانیہ کے لوگ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ عالمگیریت کے اس دور میں دنیا سے کٹ کر ترقی کا کوئی عمل جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ جدید اسلام پسندوں کے درمیان یہ بحث دو تصورات کے تحت جاری ہے۔ ایک یہ کہ ترقی کے لیے ایسی حکمت عملی اختیار کی جائے جو ممکن حد تک آزاد ہو اور تہذیبی منصوبے کی روح کے مطابق ہو۔ دوسرا تصور یہ ہے کہ مغربی طریقے کی غیر مشروط نقالی ہی ترقی کا واحد راستہ ہے۔ وسطانیہ والے پہلے تصور کے حامی ہیں، تاہم وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ میں کوئی بھی تبدیلی تدریجی ذریعہ ہی سے آئے گی۔ انہوں نے اپنے منشور میں بھی یہ واضح کیا ہے کہ وہ محض اپنی انفرادیت کے لیے معاشی ترقی کی بعض مخصوص صورتوں پر اصرار کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ جو معاشی نظام انصاف کو بنیاد بناتا اور تہذیبی منصوبے کے مطابق ہے، اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ فہمی ہویدی کا کہنا ہے کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس کی ماضی میں کوئی مثال موجود نہیں اور ہمیں اس بات کا لحاظ کرنا چاہیئے۔

وسطانیہ کے لوگ ''اختتام تاریخ'' (End of History) کے تصور کو بھی مسترد کرتے ہیں جس کے تحت ایک کیپٹلسٹ ڈیموکریٹک سوسائٹی کو ایک مطلوب ماڈل قرار دیا گیا ہے۔ وہ اسے امریکی خودسری کا ایک مظہر قرار دیتے ہیں۔ ان کا تجزیہ یہ ہے کہ امریکی خوشحالی کی اساس یہ ہے کہ اس نے زمین کے وسائل پر غیر متناسب طریقے سے قبضہ حاصل کر لیا ہے اور پھر اپنی قوت کے زور پر وہ اس کا دفاع بھی کر رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

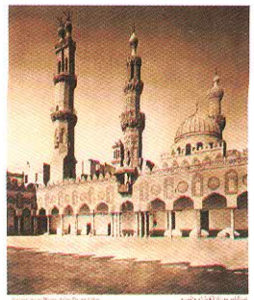

☆ جدید اسلام پسند اور قومی ایجنڈا

وسطانیہ کے لوگ کسی داخلی یا خارجی پالیسی کے علمبردار نہیں ہیں۔ تاہم وہ اس کے قائل ہیں کہ قومی اہمیت کے حامل امور کو پالیسیوں کا مرکز ہونا چاہئے۔ اس حوالے سے وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قومی خود انحصاری پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ جب شیخ محمد الغزالی سے یہ سوال کیا گیا کہ غیر مسلم ملکوں سے آنے والا منجمد مرغی کا گوشت کیا حلال ہے؟ سوال کا براہ راست جواب دینے کے بجائے انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ایسا کیوں ہے کہ ہمیں مرغی کا گوشت باہر سے منگوانا پڑتا ہے اور ہم خود اس پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی ضرورت کا گوشت ملک میں پیدا کر سکیں۔ شیخ یوسف القرضاوی اپنے معاشی خیالات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں: ''ہم دولت اور امارت کے خلاف نہیں ہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ خدا جسے یہ سب کچھ دے وہ جائز ذرائع سے دے''۔ ان کا اس پر زور ہے کہ مصر کی پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لیے ہمیں نظری اور عملی دونوں محاذوں پر شدید محنت کی ضرورت ہے۔ تاہم عالمی سطح پر مصر کی معاشی حیثیت مستحکم ہو سکے۔

٣- سیاست

سیاست کے حوالے سے وسطانیہ کے خیالات دو عنوانات کے تحت بیان کیے جاسکتے ہیں:

١- احیائے اسلام کی جدوجہد

٢- دنیا سے مکالمہ

☆ احیائے اسلام کی جد وجہد

٢٠٠٠ء کی انتخابی مہم میں فہمی ہویدی نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''آیئے! عیسائی امیدواروں کا انتخاب کریں''۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مصر میں ایک بحث شروع ہوئی لیکن یہ اس معاملہ میں وسطانیہ کی ایک سوچی سمجھی رائے کا اظہار تھا۔ جدید اسلام پسندوں کے نزدیک اسلام غیر مسلموں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اسلامی معاشرے کے ایک شہری کے طور پر تمام امور میں حصہ لیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مصری قوم مسلمان اور عیسائی دونوں مذاہب کے پیروکاروں پر مشتمل ہے جو ایک مشترکہ تاریخی اور تہذیبی ورثے کے امین ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد الغزالی، شیخ یوسف القرضاوی اور سلیم العواسمیت بہت سے دانش وروں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں یہ واضح کیا گیا کہ شریعت کے تحت مسلمان غیر مسلموں کو اپنا نمائندہ منتخب کر سکتے ہیں۔

جدید اسلام پسندوں کا خیال ہے کہ ایک اسلامی ڈھانچے کے تحت تجدید اور آزادی کے اصولوں کے مطابق، جمہوری سیاست قومی ضروریات کی تشکیل کر سکتی ہے کیونکہ جمہوریت اسلام کے اصول انصاف کے مطابق ہے۔ فہمی ہویدی نے لکھا ''آپ بتائیں انصاف کے حوالے سے آپ کہاں کھڑے ہیں، میں آپ کو بتاؤں گا کہ اسلام کے حوالے سے آپ کہاں کھڑے ہیں''۔ وسطانیہ کے نزدیک دور جدید میں جمہوریت انصاف کے حصول کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ ان کے نزدیک اسلام میں شورائیت کا تصور جمہوریت کے عصری تصور کے مترادف ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی کے مطابق ''شورائیت سے انحراف پہلا قدم تھا جس نے اسلامی قومیت کو نقصان پہنچایا''۔ اس باب میں وہ مغرب سے استفادہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہیں کہ اسلامی فقہ کے ارتقا میں مغرب کے جمہوری تصورات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

ایک اسلامی ڈھانچے کے تحت تجدید اور آزادی کے اصولوں کے مطابق، جمہوری سیاست قومی ضروریات کی تشکیل کرسکتی ہے کیونکہ جمہوریت اسلام کے اصول انصاف کے مطابق ہے۔

وسطانیہ کے لوگ تقسیم اختیارات، سیاسی جماعتوں کی کثرت، انتخابات، بنیادی آزادیوں کی ضمانت جیسے اصولوں کو اسلام کے تصور جمہوریت کا حصہ بناتے ہیں، جن کی اساس انسانی تجربات میں ہے۔ اس انداز فکر کی ترویج میں شیخ یوسف القرضاوی نے ۱۹۹۳ء کے ایک فتوے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جو انہوں نے جمہوریت اور کثیر المدنیت (Plurality) کے حوالے سے دیا تھا۔ انہوں نے سیاسی کثرت اور متعدد سیاسی پارٹیوں کے وجود کو اسلامی حوالے سے جائز قرار دیا اور اس حوالے سے امام حسن البنا سے شدید اختلاف کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ شورائیت اسلام کا لازمی حصہ ہے نہ کہ کوئی اختیاری عمل، تاہم اس مقصد کو کئی طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

فہمی ہویدی کے مطابق جمہوریت اور انصاف کی روح کے مطابق، ایک اسلامی سیاسی نظام میں سات خصوصیات ہونی چاہئیں: ۱- حاکم کے نصب و عزل کا اختیار عوام کے پاس ہوگا، ۲- معاشرے کی اپنی ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جو وہ کسی حکومتی مطالبے کے بغیر سرانجام دے گا، ۳- آزادی سب کا حق ہے، ۴- شہری کی حیثیت سے سب برابر ہوں گے، ۵- غیر مسلموں کو ان کا جائز مقام ملے گا اور وہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے ساتھ برابری کی سطح پر شریک ہوں گے، ۶- ہر طرح کی ناانصافی حرام ہوگی اور شہری اس کی مزاحمت کریں گے، ۷- شوریٰ قانون سازی کا ماخذ ہوگی جس میں حکمران اور عوام دونوں شریک ہوں گے۔

وسطانیہ کے لوگ حاکمیت الٰہیہ کے اس تصور کو قبول نہیں کرتے جسے سیاسی اسلام کے نمائندہ گروہ بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ اسے ایسا خوفناک خواب قرار دیتے ہیں جس کی تعبیر ان کے لیے پچھتاوے کا باعث ہوگی کیونکہ اس کا ظہور ایک مذہبی ریاست کے طور پر ہوگا، اسلام جس کے خلاف ہے۔ وہ مذہبی دلائل کے ساتھ سیاسی اسلام کے تصورات کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کے حوالے سے قائم سیاسی تصور کے تین ماخذ ہیں: قرآن و سنت، ان کی مختلف تعبیرات اور مسلمان معاشرے کا تاریخی تجربہ۔ ان کا کہنا ہے کہ سیاسی اسلام کا ظہور بھی انہی سے ہوا ہے لیکن اس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اس کے تحت ان تینوں کے باہمی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ صرف قرآن و سنت حجت ہیں نہ کہ ان کی کوئی خاص تعبیر یا تاریخی ماڈل۔ قرآن میں محض چند آیات ہیں جو سیاسی حاکمیت سے متعلق ہیں۔ وہ زیادہ زور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں اور ضوابط پر دیتا ہے۔ سیاسی اسلام بعض ماڈلز کو اسلامی قرار دیتا ہے جسے وسطانیہ کے لوگ رد کرتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مختلف تصورات کی ادارتی تشکیل بعض تعبیرات پر مبنی ہے، جو زیادہ تر تاریخ سے ماخوذ ہیں، لہٰذا ان میں بہت سی کمزوریاں ہیں۔ ایسے ہی ایک تصور حاکمیت کو سیاسی اسلام کے پیروکاروں نے غلطی سے اسلام سمجھ لیا ہے۔ وہ ''حکم صرف اللہ کا'' جیسی آیات کے اس مفہوم کو قبول نہیں کرتے جو سیاسی اسلام کے علمبردار پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے منشور میں اسے ناقابل قبول قرار دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے سیاسی حقوق سے یہ کہہ کر محروم کر دیا جائے کہ اسلامی معاشرے میں ''حاکمیت اللہ کی ہے نہ کہ انسانوں کی''۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن وسنت میں جہاں جہاں یہ بات کہی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام میں اقدار اور اصول اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کا حکم آغاز میں آتا ہے یا پھر اختتام میں۔ یعنی ابتدا میں قرآن وسنت یہ بتا دیتے ہیں کہ اقتدار کس مقصد کے لیے استعمال ہونا چاہیے اور اختتام میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا اس نظام سیاسی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے لوگوں کو اسلام کے حکم کے تحت انصاف مل رہا ہے؟ وسطانیہ اس موقف کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اسلام میں قانون سازی کا ماخذ وحی ہے۔ قرآن وسنت میں جو واضح احکام موجود ہیں، ان کے حوالے سے شریعت ایک الہامی قانون ہے۔ رعایا اور حکومت دونوں ان کے پابند ہیں۔ اس کے ساتھ مسلمان معاشرے میں ایک سیاسی نظام اور حکمران اپنے جواز کے لیے لوگوں کی رائے کے پابند ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حکومت ایک عوامی حکومت ہوگی نہ کہ مذہبی۔ سلیم العوا کا کہنا ہے کہ اسلامی تاریخ میں خلافت کے تجربے سے بھی دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کی شوریٰ کرے گی اور یہ حق کسی خاص گروہ کو حاصل نہیں، دوسرا یہ کہ نامزد خلیفہ عوامی حمایت کے ساتھ اپنے اختیارات استعمال کرے گا۔

شیخ یوسف القرضاوی

وسطانیہ کا خیال ہے کہ سیاسی تصور ایک فقہِ حقیقت کی تشکیل کا متقاضی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مصر میں آنے والی اسلامی بیداری کی لہر ان مواقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکام ثابت ہوئی ہے جو حالات نے پیدا کر دیے تھے۔ ان خیالات سے اثر قبول کرتے ہوئے مصر میں ایک وسط پارٹی تشکیل پائی۔ یہ جماعت سیاست میں ان خیالات کی ترجمان ہے جسے جدید اسلام پسند پیش کرتے ہیں۔ اس میں تہذیبی اسلام کے تصور کو مرکزیت حاصل ہے۔ کمال ابوالمجد واضح کرتے ہیں کہ یہ تہذیبی اسلام ایک کثیر الجہتی قومیت کے تصور کو پیش کرتا ہے۔ اس سے اسلام کی بطور مذہب نفی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کا حصہ ہے اور اس کے مفہوم کو واضح تر کرتا ہے۔ سلیم العوا وسط پارٹی کو نوجوانوں کے اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلم دانش وروں کو ان کا ساتھ دینا چاہیے۔

وسطانیہ کے لوگ محمد عبدہ کے کام کی تحسین کرتے ہیں۔ تاہم وہ یہ نہیں کہتے کہ ان امور پر انہوں نے حرف آخر کہہ دیا۔ ان کے بعد الاخوان المسلمون کے بانی امام حسن البنا اسلامی سیاسی نظریے کی تشکیل کی جانب ایک اور اہم قدم ہیں۔ وسطانیہ والے اس کی بھی تحسین کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ امام حسن البنا کے بہت سے خیالات سے اختلاف کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

☆ دنیا سے مکالمہ

ترقی یافتہ دنیا اور مسلمانوں کا موازنہ کرتے ہوئے شیخ یوسف القرضاوی کہتے ہیں: ''معلوم ہوتا ہے ہم اس جدید دنیا کا حصہ نہیں ہیں۔ مغرب نے کمپیوٹر ایجاد کیا جبکہ ہم اس پر دلائل دے رہے ہیں کہ عربی میں اس کا نام کیا ہونا چاہیے۔ اسرائیل نے وہ سیٹلائٹ بنا لیے جن کی مدد سے وہ ہماری چھوٹی سی چھوٹی حرکت پر نظر رکھتا ہے اور ہم اس میں الجھے ہوئے ہیں کہ تصویر اسلام میں حلال ہے یا حرام؟'' ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے ماننے والوں کی طرف سے جدید دنیا سے عدم واقفیت ناقابل قبول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرضاوی امریکہ کی مادی قوت سے واقف ہیں تاہم وہ اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ موجودہ مغربی غلبہ اس کے تہذیبی برتری کا اظہار ہے اور ہمیشہ کے لیے چیلنج نہیں ہوسکتا۔ وہ اسلامی بیداری کے اس عمل کے بارے میں پرامید ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سویت یونین کے زوال کو امریکا وغیرہ اپنی فتح کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی مغربی تہذیب ہی کے ایک مظہر کی ناکامی ہے۔ ان کے نزدیک اس سے مادی بنیادوں پر قائم تہذیبی ڈھانچے کی کمزوریوں کی نشان دہی ہورہی ہے۔ وہ امریکی رویے میں اسی طاقت کے نشے، غیر اخلاقی حرکتوں اور دہشت کی علامت دیکھتے ہیں جو سوویت یونین کے زوال کا باعث بنیں۔ وہ عالمی سطح پر احیائے مذہب کی لہر کو پرامید نظروں سے دیکھتے ہیں جس میں اسلام کو مرکزیت حاصل ہے۔ ان کو امید ہے کہ جدید اسلام پسند جس متبادل فکر کو پیش کررہے ہیں وہ صرف اہل مصر یا مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک اچھا متبادل ثابت ہوگا۔ ''کیا اسلام ایک خطرہ ہے''؟ یوسف القرضاوی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہ مغربی غلبے کے تحت کام کرنے والی جبر اور ناانصافی کی قوتوں کے لیے خطرہ ہے لیکن یہ عالم انسانیت اور اس کے لیے مسرت کے امکانات کے لیے خطرہ نہیں ہے''۔

وسطانیہ کے لوگ حاکمیت الٰہیہ کے اس تصور کو قبول نہیں کرتے جسے سیاسی اسلام کے نمائندہ گروہ بڑے شد ومد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

☆ مسئلہ فلسطین

مسئلہ فلسطین کے معاملے میں وسطانیہ کا ایک واضح اور دوٹوک موقف ہے۔ وہ خلیج کے معاملات میں امریکی کردار کے بھی شدید ناقد ہیں۔ وہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے جاری امن کے عمل کو ایک فراڈ قرار دیتے ہیں۔ ''یہ بات جھوٹ پر مبنی ہے کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان جاری مذاکرات امن کے لیے ہیں۔ امن صرف انصاف سے آسکتا ہے''۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ صرف فلسطینیوں کی مزاحمت ہے جو اس مسئلے کو زندہ رکھ سکتی ہے۔ جب سابق امریکی صدر کی طرف سے مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے تجاویز سامنے آئیں تو فہمی ہویدی نے اس کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے انہیں فراڈ قرار دیا۔ قرضاوی نے لکھا: ''فلسطین، یروشلم کے بغیر ایسا ہی ہے جیسے سر کے بغیر جسم''۔ تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''یروشلم صرف فلسطینیوں کا نہیں ہے بلکہ عیسائیوں مسلمانوں سمیت تمام اہل عرب کا ہے''۔ اسی طرح وہ لبنان کی حزب اللہ کی بھی تعریف کرتے ہیں اور اسے ناگزیر مزاحمت کی علامت سمجھتے ہیں۔

مسئلہ فلسطین کے ساتھ وسطانیہ کی وابستگی کا یہ عالم ہے کہ ١٩٩٥ء میں جب سعودی عرب کی معروف مذہبی شخصیت شیخ ابن باز نے اپنے فتوے میں اسرائیل اور عربوں کے درمیان جاری امن کے عمل کو جائز اور ضروری قرار دیا تو وسطانیہ نے سخت ردعمل کا اظہار کیا اور شیخ یوسف القرضاوی نے سب کی طرف سے اس کے رد میں فتویٰ جاری کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلامی قانون اس ''امن'' کو مسترد کرتا ہے جسے اسرائیل اور امریکا امن قرار دے رہے ہیں۔ شیخ قرضاوی کا کہنا تھا کہ قرآن وسنت امن کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کو تھامنے کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اسرائیل نے اس مقصد کے لیے کبھی دیانت داری کے ساتھ ہاتھ نہیں بڑھایا، اس لیے اس کے دعویٰ امن کو اس کے اعمال کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔

☆ طالبان

جدید اسلام پسند طالبان کے تصور دین اور انداز حکومت دونوں کے ناقد ہیں۔ فہمی ہویدی کو ان کے عہد اقتدار میں افغانستان جانے کا موقع ملا۔ ان کا کہنا ہے کہ طالبان نے کابل میں حکومت کے سارے نظام کو تباہ کردیا۔ انہوں نے خواتین کو باہر نکلنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے روک دیا۔ بچیوں کے تعلیمی ادارے بند کر دیے۔ مردوں کو بالجبر داڑھی رکھوائی اور سر ڈھانپنے کا حکم دیا۔ اس طرح دنیا کے سامنے اسلام اور شریعت کا مذاق بنایا۔ طالبان ان کے نزدیک ایسے لوگ تھے جنہوں نے شریعت اور مقامی روایت میں فرق ملحوظ نہیں رکھا۔ وہ قرآن کو تو سمجھتے ہیں لیکن اس کے مقاصد تنزیل کو نہیں جانتے۔ اس طرح وہ ان کی طرف سے بتوں کو توڑنے کی بھی مذمت کرتے اور اس عمل کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔

☆ انسانی معاشرت اور اللہ کا منشا

انسانوں میں موجود مذہبی تنوع، وسطانیہ کے نزدیک اللہ کے اذن کا اظہار ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو ایک طرح کا بنا دیتا لیکن یہ تنوع اس کی حکمت کے مطابق ہے۔ وسطانیہ کا کہنا ہے کہ اسلامی تاریخ کے کسی ایسے عہد کا تصور نہیں کیا جا سکتا جس میں مختلف مذاہب کے پیروکار اور ان کے درمیان سماجی ربط وضبط نہ ہو۔ ''دوسرے'' کا تصور ان کا خیال ہے کہ مغربی تہذیب اور فکر کا حصہ ہے۔ وہ مغربی تہذیب کے ہر اس تصور کو رد کرتے ہیں جس کا مقصد کسی خاص تہذیب یا قوم کا غلبہ ہے۔

وسطانیہ انسانیت کی بحیثیت مجموعی احترام کے قائل ہیں۔ کمال ابوالمجد کے الفاظ میں اللہ نے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی تو اس میں رنگ ونسل، علاقے، سماج، مذہب کی تمیز روا نہیں رکھی۔ یہ اسلام کا ایک ایسا پیغام ہے جس میں کوئی ابہام نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی ایک قوم متنوع خیالات اور رنگوں کی حامل انسانیت کا مستقبل رقم نہیں کر سکتی۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی حقوق کے عمومی اعتراف اور احترام کے ساتھ ایک اجتماعیت قائم ہو سکتی ہے۔ شیخ غزالی مغرب پر شدید تنقید کرتے ہیں جب وہ انسانی حقوق کے تصور کو ایک خالصتاً مغربی تصور قرار دیتے ہیں اور اس باب میں دوسروں کے حصے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ مغرب بالخصوص امریکا کی دوعملی کو بھی نمایاں کرتے ہیں جو وہ انسانی حقوق کے حوالے سے روا رکھتا ہے۔

> اسلام میں کسی مذہب کی عبادت گاہ یا اہل مذہب پر حملے سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ کے جنگ کے دوران بھی اس کی اجازت نہیں۔

وسطانیہ سے متعلق افراد اس بات کے قائل ہیں کہ دنیا کے ساتھ مکالمہ کرنا چاہیے اور لوگوں کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے رہنے کا فن جاننا چاہیے۔ مصر میں جب اقوام متحدہ کے تحت بہبود آبادی کانفرنس ہوئی تھی تو اس پر بہت لے دے ہوئی اور مصر کے اسلام پسندوں نے خاص طور پر احتجاج کیا۔ وسطانیہ کا رویہ اس حوالے سے مختلف تھا۔ کمال ابوالمجد نے اس موضوع پر اظہار کرتے ہوئے بعض سوالات اٹھائے: ایک عالمی معاشرت کی تشکیل کا عمل عالم انسانیت سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ اسلامی دنیا کا حصہ ہونے کی بنا پر یہ عمل اہل مصر سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہمیں زمان ومکان میں اپنی آواز اٹھانے کے لیے جگہ چاہیے۔

سلیم العوا نے کانفرنس کے اعلامیے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں اگر اختلاف کے پہلو ہیں تو ساتھ ہی بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جن میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ اگر اس میں خواتین کے مساوی کردار اور ان کی معاشرتی قوت میں اضافے کی بات کی گئی ہے تو یہ اسلامی اقدار کے عین مطابق ہے۔ انہوں نے بعض حلقوں کے اس اعتراض کو مسترد کر دیا کہ وراثت کے بارے میں کانفرنس کا اعلامیہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ وہ اس کے جواب میں پہلی بات یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ہر جگہ ایسا نہیں ہے کہ وراثت میں مرد اور عورت کے حصے میں فرق ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ اگر کہیں فرق ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ فرق سماجی ذمہ داریوں میں موجود ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ تاہم وہ اس حوالے سے ان مسائل پر غور وفکر اور ایک جدید فقہ کی ضرورت کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ اس اعلامیہ میں یہ بات بھی واضح طور پر لکھی گئی ہے کہ ہر معاشرہ اپنی اقدار کے مطابق ان سفارشات پر عمل درآمد کرے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین الاقوامی برادری کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے کمال ابوالمجد یہ بھی کہتے ہیں کہ اہم مسائل پر اسلامی اور عرب تہذیب کے موقف کو سمجھنے کے لیے ہمیں اسلامی شریعت کے وسیع تر مقاصد کے تناظر میں کسی آیت یا حدیث کا مفہوم سمجھنا چاہئیے۔ خواتین کے حقوق، بہبود آبادی اور ترقی جیسے مسائل پر اسلامی موقف کو جاننے کے لیے ہمیں دینی ماخذ اور اپنے عہد کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھنا ہوگا۔ اگر کوئی آدمی مسلمان یا مسلمان سرزمین پر رہتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اسلام کو بھی سمجھتا ہے۔ کسی معاملہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں نصوص کی فقہ کے ساتھ حقائق کی فقہ کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔

☆ 9/11 کی توضیح

وسطانیہ نے 9/11 کے واقعات کی شدید مذمت کی اور اس اقدام کو اسلامی تعلیمات سے انحراف قرار دیا۔ اس ضمن میں وہ فتویٰ بہت اہم ہے جو شیخ یوسف القرضاوی نے جاری کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا امریکہ کے مسلمان فوجیوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نیویارک پر ہونے والے حملوں کے تناظر میں امریکا کی عسکری مہم کا حصہ بنیں؟ فتوے میں کہا گیا کہ مسلمان فوجیوں کے لیے لازم ہے کہ وہ امریکی فوج کے ساتھ لڑیں، چاہے یہ جنگ کسی مسلمان ملک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس فتوے کی تائید فہمی ہویدی، طارق بشری اور محمد سلیم العوا اور دوسرے مسلمان علماء نے بھی کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام میں کسی قوم کے نہتے افراد کے خلاف اقدام جائز نہیں جو جنگ میں شریک نہیں۔ اسی طرح قرآن کی رو سے انسان کی جان اور مال کو قیامت تک حرمت دی گئی ہے۔

فہمی ہویدی

اس فتوے میں یہ کہا گیا ہے کہ بطور شہری، امریکی مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس شہریت کے تقاضوں کو نبھائیں۔ اس طرح وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی قوت برداشت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ جو معاملات آپ کے اختیار سے باہر ہیں، ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ وسطانیہ کے لوگ (اس معاملے میں) امریکا کی غیر مشروط حمایت کرتے ہیں۔ جب دہشت گردی کے خلاف جنگ آگے بڑھی اور اس کے نتیجے میں امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا تو وسطانیہ نے اس کی شدید مذمت کی۔ انہوں نے اس کی بھی مذمت کی کہ اسرائیلی وزیراعظم شیرون نے امریکا کی تائید سے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں مظالم کو روا رکھا ہوا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں طارق بشری کی کتاب ''عرب جارحیت کے نشانے پر'' شائع ہوئی۔ اس میں انہوں نے دوٹوک الفاظ میں جدید اسلام پسندوں کا یہ موقف بیان کیا ہے کہ امریکا نے بغیر کسی ابہام کے ثابت کیا ہے کہ وہ عرب اور اسلامی دنیا کا دشمن ہے۔ افغانستان اور عراق پر حملہ اور پھر مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کی تائید سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

☆ عراق پر امریکی حملہ

9/11 کے بعد سے عراق پر امریکی حملے تک پیش آنے والے واقعات کے حوالے سے وسطانیہ نے ایک متوازن موقف اختیار کیا۔ انہوں نے ایک طرف ان سرگرمیوں کو غلط قرار دیا جو مسلمان انتہا پسند گروہوں کی طرف سے کی جا رہی تھیں اور دوسری طرف عراق پر امریکی حملے جیسے اقدام کی بھی مذمت کی۔ مثال کے طور پر جب تیونس کے ایک جزیرے پر واقع یہودی عبادت گاہ پر حملہ ہوا تو شیخ یوسف القرضاوی نے کہا ''اسلام میں کسی مذہب کی عبادت گاہ یا اہل مذہب پر حملے سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ کے جنگ کے دوران بھی اس کی اجازت نہیں''۔ اس طرح جب انڈونیشیا کے جزیرے بالی میں ایک کلب پر حملہ کیا گیا تو اسے بھی انہوں نے فساد فی الارض قرار دیا۔ دوسری طرح جب امریکا نے عراق پر حملہ کیا تو سلیم العوا نے واضح کیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

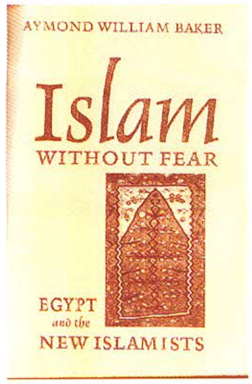

اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے قرار دیا کہ بین الاقوامی قانون کے تحت عراق پر حملے کے جواب میں دفاعی جہاد جائز ہے۔ اس دفاعی جہاد کو جائز قرار دینے کے باوجود وسطانیہ نے اس موقف میں بھی توازن برقرار رکھا۔ جب امریکا نے عراق پر حملہ کیا تو الازہر کی اسلامک ریسرچ اکیڈمی نے اسے صلیبی جنگ قرار دیتے ہوئے دنیا بھر کے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس کے خلاف اعلان جہاد کریں۔ اس پر اپنے ردعلم کا اظہار کرتے ہوئے وسطانیہ اس مقدمے کو رد کر دیا کہ یہ کوئی صلیبی جنگ ہے اور اسے مسلمانوں عیسائیوں کی جنگ سمجھنے سے انکار کر دیا۔ طارق البشری نے واضح کیا کہ عرب عیسائی جارحیت کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ کھڑے ہیں۔

مارچ ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکی حملے کے بعد جب مصری حکومت نے اس کا ذمہ دار صدام حسین کو قرار دیا تو اس پر وسطانیہ نے سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ طارق البشری، سلیم العوا اور فہمی ہویدی نے بعض دوسرے دانشوروں کے ساتھ مل کر ایک بیان جاری کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ اس حملے کا کوئی جواز نہیں تھا اور یہ امریکا کی طرف سے خلیج کے تیل پر قبضہ کرنے کے لیے اٹھایا گیا اقدام ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل کی یک طرفہ حمایت اور عراق پر حملے کے بعد امریکا نہ صرف انتہا پسندوں کے نزدیک بلکہ وسطانیہ کے جدید اسلام پسندوں اور عرب مسلم دنیا کے بہت سے معتدل لوگوں کے نزدیک بھی جائز پر طور پر دفاعی جہاد کا ہدف بن گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وسطانیہ صدام حسین کے بھی خلاف تھی اور جب اس نے کویت پر قبضہ کیا تو اس کی شدید مذمت کی۔

(اس مضمون کے مندرجات کے لیے ولیم بیکر کی کتاب-Islam Without Fear
Egypt and the New Islamists کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے)۔

شاہ ولی اللہ اور ترکیبی علم الکلام

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے ''ترکیبی علم کلام'' کی بابت لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمیں اس زمانے میں یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ ہمارے سینے میں اس امت کے علماء کے سب علوم جمع ہوگئے ہیں، کیا معقولات کیا منقولات اور کیا کشف ووجدان کے علوم، ہمیں خدا نے توفیق دی ہے کہ ایک علم کو دوسرے پر تطبیق دے سکتے ہیں اس طرح بظاہر ان میں جو اختلافات ہوتے ہیں وہ ختم ہوجاتے ہیں اور ہر بات اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتی ہے اور ان میں کوئی تناقض نہیں رہتا، مختلف اور متعارض اقوال میں ہمارا تطبیق کا یہ اصول علم کے تمام فنون پر حاوی ہے اور اس کے تحت فقہ بھی آجاتی ہے، علم کلام بھی آجاتا ہے اور تصوف کے مسائل بھی۔

(مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ)

© rasailojaraid.com